غالب نامہ

مولانا خواجہ عبدالحئی فاروقی

باز گو از نجد و از یاران نجد

پہلی عالم گیر جنگ ہونے کو تھی، کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں بڑا جوش پھیل گیا۔ میں اس وقت ڈویژنل کالج میرٹھ میں عربی اور فارسی کا پروفیسر تھا مجھے ایک روز اطلاع ملی کہ ہمارے شیخ اور استاد مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ حج کے لیے تشریف لے جا رہے ہیں میں اسی روز کالج میں تعلیم دینے کے بعد دیوبند چلا گیا۔ میں وہاں پہنچا ہی تھا کہ جماعت اہل حدیث کے بہت بڑے امام مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی اور ہندوستان کے بڑے بڑے مشہور اور چیدہ افراد حضرت کے دولت کدے پر الوداع کہنے کے لیے موجود تھے۔ مولانا فضل الٰہی مرحوم اس لیے تشریف لائے تھے کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو مجاہدین سرحد کی طرف سے دعوت دیں کہ حضرت وہاں تشریف لے چلیں۔ وہاں سے ہندوستان کے مسلمانوں کی رہنمائی فرمائیں اور حکومت برطانیہ کے خلاف مصروف کار رہوں۔ مولانا وزیر آبادی نے مجھے فرمایا کہ حضرت شیخ سے ان کا تعارف کرادوں میں انھیں لے کر اندر گیا اور بڑی دیر تک تنہائی میں ہم تینوں کی باتیں ہوتی رہیں۔ حضرت نے اس دعوت کا شکریہ ادا کیا اور دعوت قبول کرنے سے انکار فرمادیا اور کہا کہ میں بہت پہلے سے اپنے سفر کا پروگرام مرتب کرچکا ہوں۔ اس لیے اب اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ دہلی کے ایک بزرگ اس لیے حاضر ہوئے تھے کہ وہ ایک فتوے پر مولانا کے دستخط کرالیں اس استفتاء کی حقیقت یہ تھی کہ جب حکومت برطانیہ کو معلوم ہوا تھا کہ ترکوں نے اس عالمگیر جنگ میں جرمنی کا ساتھ دینا کرلیا ہے تو اسے بڑی سخت تشویش پیدا ہوئی اس لیے دہلی کے اس عالم سے فتویٰ لکھوایا کہ ترک دینی جنگ نہیں کر رہے بلکہ دنیا حاصل کرنے کے لیے جہاد کا نام لے رہے

ہیں انھیں اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے اس لیے مسلمانوں کو ان کا بالکل ساتھ نہیں دینا چاہیئے۔ حکومت ہند اس بات کو بھی اچھی طرح جانتی تھی کہ ہندوستان کے بڑے سے بڑے عالم کا فتویٰ کوئی اثر نہیں رکھتا جب تک اس پر دیوبند کی مہر ثبت نہ ہو اس لیے وہ مشہور عالم دیوبند بھیجے گئے کہ کسی نہ کسی طرح حضرت شیخ الہند سے دستخط کرالیں اور حکومت ہند اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اس فتویٰ پر دستخط کرنے سے انکار فرمایا اس بزرگ نے ادب کے ساتھ گزارش کی کہ اگر آپ اس فتوے پر دستخط فرما دیں گے تو مدرسہ کو بڑا مالی فائدہ ہوگا آپ نے فرما دیا کہ مدرسے کی اینٹ سے اینٹ بج جائے گی۔ مجھے اس کی کوئی پروا نہیں مگر میں اس پر دستخط کرنے کے لیے بالکل تیار نہیں ہوں۔ رات کو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ ریل میں سوار ہو گئے۔ کثرت کے ساتھ لوگوں کا ہجوم تھا۔ ان میں سے اکثر اسٹیشن پر الوداع کہہ کر واپس چلے آئے۔ پھر بھی بہت سے لوگ دہلی تک ساتھ گئے اور فضل الٰہی مرحوم بھی دہلی تک گئے حضرت کو دہلی اسٹیشن پر الوداع کہہ کر میں میرٹھ واپس آگیا۔

میرٹھ کالج میں مجھے کام کرتے تین سال ہو گئے تھے کہ میرے پاس مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم کا خط آیا اور ادھر سے مولوی محی الدین احمد قصوری میرے پاس میرٹھ پہنچ گئے اور مجھے حکم دیا کہ کلکتہ چلو! آپ کو وہیں رہنا ہوگا چنانچہ میں کالج چھوڑ کر کلکتے چلا گیا۔

حج ختم ہو گیا تھا۔ اور ہمیں اطلاع مل چکی تھی کہ مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کو شریف حسین والی مکہ نے گرفتار کر لیا ہے اور انھیں انگریزوں کے حوالے کر دیا ہے۔ میں ایک روز دفتر الہلال میں بیٹھا ہوا تھا کہ ہمارے دیوبند کے ایک رفیق پوچھتے پوچھتے میرے پاس آگئے یہ حضرت کے ساتھ حج کرنے گئے تھے انھوں کے حج کے تفصیلی حالات مجھے سنائے۔ اور کہا کہ میں مولانا ابو الکلام کے نام ایک خط لایا ہوں۔ چاہتا ہوں کہ تمھاری موجودگی میں یہ خط ان کی خدمت میں پیش کر دوں۔ میں مولانا کے پاس اندر گیا۔ ان سے تمام صورت حال بیان کر دی اور کہا کہ اگر آپ کوئی تنہائی کا وقت مقرر کر دیں گے تو میں انھیں آپ کی خدمت میں لے آؤں گا ہم لوگ عصر کی نماز پڑھ چکے تھے کہ انھوں نے اپنا آدمی میرے پاس بھیجا کہ حضرت مولانا یاد فرما رہے ہیں میں گیا تو وہ مکان کی تیسری چھت پر تھے اور وہاں میرے اور ان کے سوا کوئی تیسرا آدمی نہ تھا۔ انھوں نے فرمایا کہ اپنے دوست کو لاؤ۔ میں

نیچے سے ان کو اوپر لے گیا۔ تو مولوی صاحب نے مولانا کی خدمت میں خط پیش کیا۔ خط اردو میں تھا۔ اور چھپا ہوا تھا اس کا نام تھا "غالب نامہ" اس کی اصلیت یہ تھی کہ شیخ الہند مرحوم اور ان کے رفقاء سفر حج سے فارغ ہونے کے بعد چلے گئے تھے۔ وہاں حسن اتفاق سے انور پاشا، کاظم پاشا اور غالب پاشا بھی تھے۔ انھیں جب معلوم ہوا کہ شیخ الہند مدینہ میں تشریف لے آئے ہیں۔ تو وہ ان سے ملنے کے لیے ان کی فرودگاہ پر آئے اور گھنٹوں ان کی آپس میں باتیں ہوتی رہیں۔ جن کا سب سے بڑا موضوع عالمگیر جنگ تھی۔ چلتے وقت انھوں نے حضرت شیخ الہند کی خدمت میں چھپا ہوا خط "غالب نامہ" کے نام سے دیا اور کہا کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں اس کی عام اشاعت کی جائے شیخ الہند کے ساتھ جو حضرات حج کو گئے تھے ان میں سے ایک مولوی محمد میاں بھی تھے امیٹھ ضلع سہارنپور کے ایک بزرگ مولانا عبداللہ مرحوم تھے وہ بڑے عالم بڑے فاضل اور مثنوی مولانا روم کے پڑھنے میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے اللہ نے ان کی آواز میں بڑی لوچ دی تھی۔ سرسید احمد بانی علی گڑھ کالج مولانا مرحوم کے بڑے دلدادہ تھے اور وہی انھیں کھینچ کر علی گڑھ کالج میں لائے تھے ان کی سعی و کوشش سے مولانا مرحوم کو ناظم دینیات کا عہدہ دیا گیا۔ اور وہ زندگی بھر ان فرائض کو انجام دیتے رہے وہ علی گڑھ کالج کی مسجد میں خاص طور پر جمعہ کی نماز پڑھاتے اور باقی نمازیں عموماً پڑھایا کرتے تھے ان کے دو صاحبزادے تھے۔ ایک یہی محمد میاں تھے اور ان کے چھوٹے بھائی احمد میاں تھے۔ مولوی احمد میاں ہمارے خاص دوستوں میں سے تھے۔ میں جب دیوبند میں پڑھتا تھا تو اس وقت سے میرے ساتھ ان کے بڑے گہرے مراسم تھے۔ وہ اپنے ماموں حافظ محمد احمد مرحوم مدرسہ دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتوی کے فرزند ارجمند اور مولانا قاری محمد طیب صاحب مدرسہ دیوبند کے موجودہ مہتمم اعلیٰ کے والد بزرگ تھے۔ حافظ محمد احمد مرحوم بڑے عالم اور بڑے اچھے مقرر تھے مدرسہ دیوبند میں وہ بعض کتابیں بھی پڑھایا کرتے تھے اور مشہور یہ تھا کہ ان سے بہتر کوئی اور شخص یہ کتابیں نہیں پڑھا سکتا اور جب کسی طالب علم کا نام ان کی جماعت میں آ جاتا تو وہ اپنے آپ کو بڑا خوش قسمت سمجھتا تھا۔ چنانچہ میں نے بھی ان سے مسلم شریف، نورالایمان اور حجۃ الاسلام سبقاً سبقاً پڑھی ہیں۔ مولوی محمد میاں مرحوم نے ایک روز مجھ سے فرمایا کہ آج مدرسہ دیوبند کے مایہ ناز فرزند اور ہندوستان کے بہت بڑے عالم تقریباً بیس سال کے بعد دیوبند تشریف لا رہے ہیں اور ان کا یہ آنا طالب علمی

کے بعد پہلی مرتبہ آنا تھا یہ عالم مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم تھے ین پہلے بھی ان کا ذکر سن چکا تھا۔
چنانچہ اگلے روز وہ ریل سے تشریف لے آئے، مدرسہ میں قیام فرمایا اور مولوی محمد میاں مرحوم مجھے اپنے
ساتھ لے کر ان کی خدمت میں پہنچے۔ میں نے جیسا سنا تھا اس سے کہیں زیادہ انھیں پایا اور وہ ملاقات
ایک مستقل ملاقات ہو گئی مولوی محمد میاں جب واپس آئے تو وہ "غالب نامہ" ان کے سپرد کر دیا
گیا کہ اس کا مناسب انتظام ہندوستان میں جا کر کریں وہ اس خط کو لے کر مولانا ابو الکلام آزاد کی
خدمت میں حاضر ہوئے اور کئی گھنٹے اس پر مفصل گفتگو رہی۔

اس صحبت میں یہ بات طے کی گئی کہ مولانا ابوالکلام آزاد جلد سے جلد ہندوستان کو چھوڑ دیں
اور مجاہدین سرحد کے درمیان رہ کر مسلمانوں کی راہنمائی فرمائیں۔ اس کے لیے تجویز یہ کی گئی کہ بنگال کے
انارکسٹوں سے مدد لی جائے اگلے روز میں بنگالی اخبار کے دفتر گیا جس کے مالک سر سیندر ناتھ بینرجی
تھے جو بنگالیوں میں (surrender not) کے نام سے مشہور تھے اس اخبار کے اصلی ایڈیٹر شیام
سندر چیٹرجی تھے جو بنگال کے انارکسٹوں کے سب سے بڑے افسر تھے میں جب دفتر پہنچا تو وہ اگلے
روز کے اخبار کے لیے اداریہ لکھوا رہے تھے میرے جانے کے پانچ منٹ بعد فارغ ہو گئے اور اب ہم
بالکل تنہا رہ گئے۔ میں نے آنے کی پوری تفصیل بیان کر دی۔ انھوں نے سن کر جواب دیا کہ میں اس
بات کی ذمہ لے سکتا ہوں کہ مولانا ابوالکلام آزاد کو کلکتہ سے بخیر و عافیت پشاور تک پہنچا دوں اس
خدمت کے لیے آپ جب چاہیں میرے پچیس رضا کار آپ کو مل سکتے ہیں میں انھیں اس دوران
میں تیار کر دوں گا کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔ خاص اسلامی لباس پہنیں نماز روزہ کے پابند ہوں اور ان
میں اس بات سے شبہ نہ ہونے پائے کہ یہ مسلمان نہیں ہیں میں یہ تمام باتیں طے کرنے کے بعد لاہور
آ گیا کہ مولانا کے سفر کے لیے مناسب انتظام کر دوں کہ اتنے میں معلوم ہوا کہ مولانا ابوالکلام آزاد کو
بنگال سے نکال دیا ہے اور وہ رانچی میں جا کر مقیم ہو گئے ہیں میں بہرحال ان تیاریوں میں مصروف
تھا کہ اسی دوران میں مولوی محمد میاں لاہور آئے اور وہیں ٹھہرے جہاں میں مقیم تھا وہ اگلے روز
کابل کے ارادے سے ریل پر سوار ہو گئے اور میں نے ریلوے اسٹیشن لاہور پر انھیں آخری مرتبہ الوداع
کہا اس کے بعد سے میری ان سے ملاقات نہ ہوئی۔

مولوی محمد میاں مرحوم کابل جانے کے بعد وہیں افغانستان میں مقیم ہو گئے اپنا نام منصور رکھ

(بقیہ صفحہ ۲۸ پر دیکھیں)